حضرت مولانا محمد الیاسؒ

اور اُن کی

دینی دعوت

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

مجلس نشریات اسلام

۱-کے-۳، ناظم آباد مینشن، ناظم آباد نمبر ۱، کراچی-۷۴۶۰۰

مولانا گنگوہیؒ سے بیعت و تعلق

مولانا گنگوہیؒ بالعموم بچوں اور طالب علموں کو بیعت نہیں کرتے تھے، فراغت و تکمیل کے بعد اس کی اجازت ہوتی تھی، مگر مولانا الیاس صاحبؒ کے غیر معمولی حالات کی بنا پر ان کی خواہش و درخواست کی بنا پر بیعت کر لیا۔

مولانا کی فطرت میں شروع سے محبت کی چنگاری تھی، آپ کو حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ سے ایسا قلبی تعلق پیدا ہو گیا تھا کہ آپ کے بغیر تسکین نہ ہوتی۔ فرماتے تھے کہ:۔ کبھی کبھی رات کو اٹھ کر صرف چہرہ دیکھنے کے لئے جاتا، زیارت کر کے پھر آکر سو رہتا۔ حضرتؒ کو بھی آپکے حال پر ایسی ہی شفقت تھی۔ فرماتے تھے کہ:۔ ایک مرتبہ میں نے بھائی سے کہا کہ اگر حضرتؒ اجازت دے دیں تو میں حضرتؒ کے قریب بیٹھ کر مطالعہ کیا کروں؛ مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ نے حضرت مولاناؒ سے ذکر کیا۔ فرمایا: مضائقہ نہیں! الیاس کی وجہ سے میری خلوت میں فرق اور طبیعت میں انتشار نہیں پیدا ہوگا۔

مولانا فرماتے تھے کہ جب میں ذکر کرتا تھا تو مجھے ایک بوجھ سا محسوس ہوتا تھا۔ حضرتؒ سے کہا تو حضرتؒ تھرا گئے اور فرمایا کہ مولانا محمد قاسمؒ صاحبؒ نے یہی شکایت حاجی صاحبؒ سے فرمائی تو حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ:۔ اللہ آپ سے کوئی کام لے گا۔

مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کا طرزِ تعلیم

مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ تعلیم میں مجتہدانہ طرز رکھتے تھے، ابتدائی تعلیم میں درسی کتب اکثر نہیں پڑھاتے تھے، بلکہ خود اصول و قواعد لکھوا کر سہ حرفی دو حرفی لفظ بتاتے تھے کہ ان کی گردانیں اور تعلیلیں بناؤ، ادب پر ابتداہی سے زور رہتا۔ ابتدا شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی "چہل حدیث" اور "پارۂ عم" سے کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ مسلمان بچے کو پارۂ عم تو یاد ہوتا ہی ہے، لفظ یاد کرنے نہ پڑیں گے، صرف

لہ روایت شیخ الحدیث ۱۲۰

معنی یاد کرنے ہوں گے۔ فرماتے تھے کہ ویسے بھی قرآن و حدیث کے الفاظ میں برکت ہے۔

استعداد آفرینی اور قوت مطالعہ کی طرف مولانا کی اصل توجہ تھی۔ کتابوں کے اختتام کی بھی پابندی نہ تھی۔ عموماً بے حاشیہ و شرح کی کتاب طالب علم کو پڑھنے کے لئے دیتے اور درمیان میں سہارا نہ دیتے، جب اس کا اطمینان ہو جاتا کہ طالب علم بے استاد کے ٹکے کتاب کے کئی صفحے اچھی طرح سمجھ اور سمجھا سکتا ہے تب دوسری کتاب شروع کراتے۔ عربیت اور استعداد کی پختگی کی طرف خاص توجہ تھی۔ مولانا کے شاگردوں میں "اتقان" پیدا ہو جایا کرتا تھا۔[1]

علالت، تعلیم کا انقطاع اور دوبارہ اجرا

آپ ابتدا سے نحیف و لاغر تھے۔ اسی گنگوہ کے قیام میں آپ کی صحت خراب ہو گئی، درد سر کا ایک خاص قسم کا دورہ پڑا، جس کی وجہ سے مہینوں سر کا جھکانا، حتیٰ کہ تکیہ پر سجدہ کرنا بھی ناممکن تھا۔ مولانا گنگوہیؒ کے صاحبزادے حکیم مسعود احمد صاحب معالج تھے، اور ان کا خصوصی طرز یہ تھا کہ بعض امراض میں پانی بہت دنوں کے لئے چھڑا دیتے، بہت کم لوگ اس پرہیز کو برداشت کر سکتے اور زیادہ مدت کے لئے پانی نہ چھوڑ سکتے تھے، مگر مولانا نے اپنے مخصوص مزاج (اصول کی پابندی اور اطاعت) کے مطابق معالج کی پوری اطاعت کی اور اپنی خداداد قوت ارادی اور عزیمت سے (جو ان کی پوری زندگی میں جلوہ گر رہی ہے) پانی سے پورا پرہیز کیا اور سات برس کامل پانی نہیں پیا۔[2] اسکے بعد بھی پانچ برس تک برائے نام پانی پیا۔

اس شدید علالت اور خاص طور پر دماغی کمزوری کی وجہ سے سلسلہ تعلیم منقطع ہو گیا، اس کے دوبارہ جاری ہونے کی امید نہ تھی، لیکن مولانا کو تعلیم کے نامکمل رہ جانے کا بڑا غم تھا اور اس کی بے کل رہتی تھی۔ آپ کا پڑھنے کے لئے اصرار تھا اور ہمدردوں کا مشورہ تھا کہ مسلسل آرام کریں۔ مولانا فرماتے تھے کہ ایک روز بھائی نے کہا کہ آخر پڑھ کر ہی کیا کرو گے؟ میں نے کہا: "جی کر کیا کروں گا!" اسی اصرار و طلب

---

[1] شیخ الحدیث۔ [2] یہ بات میں نے خود مولانا کی زبان سے سنی ہے اور شیخ الحدیث اور انکے خاندان کے تمام بزرگوں سے بتواتر سننے میں آئی ہے۔ ص ۱۲

ہندوانہ وضع ولباس سے نفرت پیدا ہونے لگی اور اسلامی وشرعی لباس کی وقعت دلوں میں پیدا ہوگئی۔ ہاتھوں سے کڑے اور کانوں سے مرکیاں اترنے لگیں، بے کہے آدمیوں نے داڑھیاں رکھنی شروع کردیں، شادیوں سے مشرکانہ اور خلاف شرع رسوم کا خاتمہ ہونے لگا۔ سُود خواری کم ہوگئی، شراب نوشی تقریباً ختم ہوگئی، قتل وغارت گری کی واردات میں بہت کمی ہوگئی، جرائم، فسادات اور بد اخلاقیوں کا تناسب پہلے کے مقابلے میں بہت گھٹ گیا۔ بے دینی، بدعات ورسوم اور فسق وفجور کی باتیں اور عادتیں موافق ہوا وفضا نہ پانے کی وجہ سے خود بخود مضمحل ہونے لگیں۔

اس حقیقت کو ایک سن رسیدہ تجربہ کار میواتی نے بڑی بلاغت کے ساتھ بیان کیا، جس پر کسی اضافے کی گنجائش نہیں { قاری داؤد صاحب نے ایک بوڑھے میواتی سے اس کا عندیہ لینے کے لئے پوچھا کہ "تمھارے ملک میں کیا ہو رہا ہے؟" بوڑھے میواتی نے کہا "اور تو میں کچھ جانتا نہیں، اتنا جانوں کہ جن باتوں کے لیے بڑی کوشش کی جاتی تھیں اور ایک بات بھی نہیں ہوتی تھی، وہ اب آپ ہی آپ ہو رہی ہیں، اور جن باتوں کو بند کرنے کے لئے پہلے بڑی بڑی لڑائیاں لڑی جاتی تھیں اور بڑا زور لگایا جاتا تھا اور ایک بات بھی نہیں بند ہوتی تھی، وہ اب بے کہے سنے خود بخود بند ہوتی جا رہی ہیں" }

مولانا کے نزدیک اس اصلاح وتغیر کا سب سے بڑا سبب اہل میوات کا باہر نکلنا اور خصوصاً یوپی کے دینی مرکزوں میں جانا تھا۔ ایک میواتی کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"جماعتوں کے یوپی کے خطے میں نکلنے کی کچھ ایسی تاثیرات ہیں کہ باوجود افراد کی صرف تھوڑی سی مقدار کے نکلنے کے جو دسویں کو بھی نہیں پہنچی اور دو وقت کی تھوڑی سی مقدار کے جو اپنے گھروں کے مقابلہ میں کچھ بھی شمار ہونے کی حیثیت نہیں رکھتی اتنے قلیل زمانہ کا اتنا اثر ہوا کہ انقلاب عظیم کا لفظ زبانوں پر آنے لگا اور تمھارے ملک

(صفحہ ۹۳ کا بقیہ حاشیہ) وہ رہتی ہیں۔ آپ کے درس اور آپ کے مدرسہ واقع قرول باغ دہلی سے بکثرت میواتی طلبہ عالم اور فارغ التحصیل ہو کر نکلے۔

طاقت نہیں ہے، یہ روحانی قوت ہے جس کو عام لوگ نہیں سمجھتے۔

۱۲ جولائی چہار شنبہ کے دن شیخ الحدیث مولانا عبد القادر صاحب اور مولانا ظفر احمد صاحب کو یہ پیام بھیجا کہ مجھے اپنے آدمیوں میں سے چند پر اعتبار ہے آپ لوگ جسے مناسب سمجھیں اس کے ہاتھ پر ان لوگوں کو بیعت کرا دیں جو مجھ سے بیعت ہونا چاہتے ہیں۔ حافظ مقبول حسن صاحب، قاری داؤد صاحب، مولوی احتشام الحسن صاحب، مولوی یوسف صاحب، مولوی انعام الحسن صاحب، مولوی سید رضا حسن صاحب۔

ان حضرات نے دوبارہ مشورہ کر کے مولانا کی خدمت میں عرض کیا کہ مولوی محمد یوسف صاحب ماشاء اللہ ہر طرح اہل ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے خلافت کے لئے القول الجمیل میں جو شرائط لکھے ہیں، وہ سب بحمد اللہ ان میں پائے جاتے ہیں۔ عالم ہیں، متورع ہیں اور علومِ دینیہ سے اشتغال رکھتے ہیں، فرمایا اگر تم نے یہی انتخاب کیا ہے تو اللہ اسی میں خیر و برکت دے گا، مجھے منظور ہے، یہ بھی فرمایا کہ پہلے مجھے بڑا کھٹکا اور بے اطمینانی تھی، اب اطمینان ہو گیا ہے، امید ہے کہ انشاء اللہ میرے بعد کام چلے گا۔

شام کو فرمایا کہ جس کو مجھ سے بیعت کرنا ہے بیعت کر لے۔ مشورہ ہوا کہ اس وقت تکان بہت ہے کل پر موخر رکھا جائے۔ وکان امر اللہ قدرا مقدورا۔

آخری شب — رات سے سفر کا اہتمام تھا، پوچھا کہ کیا کل جمعرات ہے؟ عرض کیا گیا جی ہاں! فرمایا کہ میرے کپڑوں کو دیکھ لو کہیں کوئی نجاست تو نہیں ہے؟ یہ معلوم کر کے کہ نہیں ہے اطمینان و خوشی ہوئی۔ چارپائی سے اتر کر وضو کے ساتھ نماز پڑھنے کی خواہش کی مگر تیمار داروں نے منع کیا۔ جماعت کے ساتھ عشا کی نماز

شروع کی مگر قضائے حاجت کی ضرورت پیش آگئی، لبعد میں دوسری جماعت سے حجرہ میں نماز پڑھی۔ فرمایا آج کی رات دعا اور دم کثرت سے کراؤ۔ یہ بھی فرمایا کہ آج میرے پاس ایسے لوگ رہنے چاہئیں جو شیاطین اور ملائکہ کے اثرات میں امتیاز کر سکیں۔ مولوی انعام الحسن صاحب سے پوچھا کہ وہ دعا کس طرح ہے اللّٰھم ان مغفرتك؟ انھوں نے پوری دعا یاد دلائی: اللّٰھم ان مغفرتك اوسع من ذنوبی ورحمتك ارجیٰ عندی من عملی (اے اللہ! تیری مغفرت میرے گناہوں سے زیادہ وسیع ہے اور مجھے عمل سے زیادہ تیری رحمت کا آسرا ہے) یہ ورد زبان رہی۔ فرمایا آج یوں جی چاہتا ہے کہ مجھے غسل کرادو اور نیچے اتار دو۔ دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ دیکھو نماز کیا رنگ لاتی ہے۔

۱۲ بجے گھبراہٹ کا ایک دورہ پڑا جس پر ڈاکٹر کو فون کیا گیا۔ ڈاکٹر آئے اور گولی دی۔ رات کو بار بار اللہ اکبر اللہ اکبر کی آواز آتی رہی پچھلے پہر مولوی یوسف صاحب اور مولوی اکرام الحسن صاحب کو یاد فرمایا۔ مولوی یوسف صاحب سے فرمایا، آ مل لے، ہم تو چلے اور صبح کی اذان سے پہلے جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اور عمر بھر کا تھکا مسافر جو شاید کبھی اطمینان کی نیند سویا ہو، منزل پر پہنچ کر میٹھی نیند سو رہا۔

یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربك راضیۃ
مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی

صبح کی نماز کے بعد بہتے ہوئے آنسوؤں کے درمیان مولوی یوسف صاحب کی جانشینی عمل میں آئی اور مولانا کا عمامہ ان کے سر پر باندھا گیا۔

غسل و تجہیز و تکفین

اس کے بعد غسل ہوا، علماء و فقہا نے اپنے ہاتھوں سے غسل دیا اور تمام سنن و مستحبات کا التزام کیا گیا۔

مساجد (اعضاء سجود) پر جب خوشبو لگانے لگے تو حاجی عبدالرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ پیشانی پر اچھی طرح خوشبو لگاؤ، یہ گھنٹوں سجدے میں ٹیکی رہتی تھی۔

شہر میں عام اطلاع ہوگئی تھی اور لوگوں کی آمد صبح سے شروع ہوگئی تھی۔ تھوڑی دیر میں مجمع بڑا ہو گیا۔ وہ مجمع جس کو مولانا کبھی فارغ نہیں دیکھ سکتے تھے۔ شیخ الحدیث صاحب اور مولانا محمد یوسف صاحب کا حکم ہوا کہ لوگوں کو نیچے میدان میں جمع کیا جائے اور ان سے خطاب کیا جائے۔ وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل کے مضمون سے بڑھ کر اس موقع کے لئے تعزیت اور موعظت کیا ہو سکتی تھی۔ مولانا ظفر احمد صاحب اور مفتی کفایت اللہ صاحب نے بھی لوگوں کو صبر کی تلقین کی اور نصائح فرمائے۔

مجمع برابر بڑھ رہا تھا، ظہر کی نماز کے وقت بے اندازہ مجمع تھا، حوض کا پانی وضو کرنے والوں کی کثرت سے نیچا ہو گیا، مسجد کی تمام چھتیں زیریں و بالائی حجرے بالکل بھر گئے، جنازہ نماز پڑھنے کے لئے باہر لایا گیا، مجمع قابو اور نظم و ضبط سے باہر تھا، بلیاں باندھ دی گئی تھیں، تاکہ لوگ کاندھا دے سکیں۔ بڑی کش مکش کے بعد جنازہ درختوں کے نیچے لایا گیا۔ شیخ الحدیث صاحب نے نماز پڑھائی اور دفن کے لئے جنازہ واپس ہوا۔ مسجد کے اندر پہنچنا مشکل تھا۔ بہت سے لوگ رسیاں ڈال ڈال کر اندر پہنچے۔ مسجد کے جنوبی مشرقی گوشے میں باپ اور بھائی کے پہلو میں لحد تیار تھی، بڑی مشکل اور کش مکش سے جنازہ قبر تک پہنچا۔ نعش قبر میں اتاری گئی اور دین کی یہ امانت خاک کے سپرد کی گئی۔ سورج جب غروب ہوا تو دین کا یہ آفتاب جس کی تابش سے ہزاروں خاک کے ذرّے چمک اٹھے تھے اور دور دور تک دین کی حرارت پیدا ہوگئی تھی خاک میں اوجھل ہو چکا تھا۔